

1 اقتصادی صورتحال

1.1 تعارف

پاکستان کی معیشت میں مالی سال 12ء میں معمولی سی بہتری دیکھی گئی۔ حقیقی جی ڈی پی دوران سال 3.7 فیصد بڑھا جبکہ مالی سال 11ء میں 3.0 فیصد نمو رہی تھی۔ اگرچہ 4.2 فیصد نمو کے ہدف کے مقابلے میں معیشت کی کارکردگی کم رہی تاہم توانائی کی قلت، امن وامان کے مسائل اور مسلسل دو برسوں تک سیلابوں کی وجہ سے یہ نتیجہ متوقع تھا۔ تاہم ماس 11ء کے مقابلے میں یہ نمو وسیع البتہ تھی کیونکہ یہ زراعت، صنعت اور خدمات کے شعبے میں مساوی طور پر بڑھی ہوئی تھی۔

طلب کا پہلو زیادہ غور طلب تھا کیونکہ ماس 12ء میں نمو کا بنیادی محرک نجی صرف تھا۔ دوران سال کارکنوں کی بھرپور ترسیلات، متحرک بے ضابطہ معیشت اور بھاری مالیاتی خرچ نے صرف کی نمو کو سنبھالے رکھا۔ دوسری طرف سرمایہ کاری کی رفتار سست رہی اور یہ رجحان گذشتہ کئی برس سے چل رہا ہے۔

جدول 1.1: معاشی اظہاریے			
نمو فیصد میں			
ماس 12ء	ماس 12ء ہدف	ماس 11ء	
3.7	4.2	3.0	حقیقی جی ڈی پی
3.1	3.4	2.4	زراعت
3.4	3.1	0.7	صنعت
4.0	5.0	4.4	خدمات
11.1	-	3.9	صرف
-8.6	-	-4.7	سرمایہ کاری
11.0	12.0	13.7	گرانی بلحاظ اق
			بطور فیصد جی ڈی پی
-2.0	-	0.1	جاری حسابات کا توازن
-8.5*	-4.0	-6.6	مالیاتی توازن
62.6	60.0	61.0	سرکاری قرضہ
			* دیکھئے فٹ نوٹ 1

ماخذ: بینک دولت پاکستان اور صوبائی دفتر شماریات

اگرچہ مالیاتی خرچ میں اضافے نے تجارتی سرگرمیوں کو بڑھا دیا تاہم یہ فائدہ پاکستان کے بجٹ خسارے کو جی ڈی پی کے 8.5 فیصد تک پہنچانے کی قیمت پر ملا۔ اجمع شدہ گردش قرضے، سرکاری شعبے کے کاروباری اداروں (پی ایس این) کے نقصانات، بلند سودی ادائیگیوں اور پچھلے برسوں کے سیلابوں کے پیش نظر، جن سے تعمیراتی کام اور منتقلی کی ادائیگیاں بڑھ گئیں، یہ نتیجہ حیران کن نہیں۔ بہر حال مالیاتی خسارے کا یہ حجم پائیدار نہیں کیونکہ یہ گرانی کو بڑھا رہا ہے، نجی سرمایہ کاری کی گنجائش ختم کر رہا ہے، کمرشل بینکوں کی بیلنس شیٹ کو متاثر کر رہا ہے اور ملک کو قرضے کے چال کی طرف لے جا سکتا ہے۔

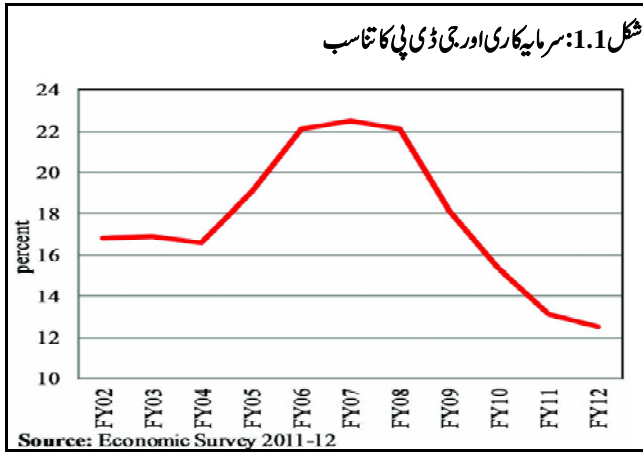
مثبت پہلو یہ ہے کہ ماس 12ء کے دوران غذائی ایشیا کی قیمتیں قدرے مستحکم رہی ہیں جس سے مجموعی گرانی کو 11.1 فیصد تک لانے میں مدد ملی ہے، جو 12.0 فیصد تخمینے سے بہتر ہے جس کا تخمینہ پہلے لگایا گیا تھا (جدول 1.1)۔ اسی کی بنا پر مرکزی بینک کو دوران سال پالیسی ریٹ میں 200 بی پی ایس کمی کرنے کا موقع ملا۔ یہ قدم جزو اس لیے اٹھایا گیا کہ نجی شعبے کی قرض گیری کو بحال کیا جائے اور بینکوں کو نجی بچت کنندگان اور قرض گیروں کے درمیان وساطت کو بہتر بنانے کی ترغیب دی جائے۔

ایک اور مثبت پہلو بیرونی شعبہ ہے کیونکہ ترسیلات اس سال بھی بھرپور ہیں جن سے نہ صرف جاری حسابات کا خسارہ کم کرنے میں مدد ملی بلکہ معاشی سرگرمیوں میں بھی بہتری آئی۔ بحیثیت مجموعی بیرونی شعبہ سال کے آغاز کی نسبت کم تشویشناک ہے۔ تاہم چونکہ بیرون ملک سے آمد قرضہ کا سلسلہ بند ہو گیا اس لیے جاری حسابات کے خسارے اور بیرونی قرضے کو پورا کرنے کا بوجھ ملک کے زرمبادلہ کے ذخائر پر پڑ گیا ہے۔

1.2 مالی سال 12ء کا جائزہ

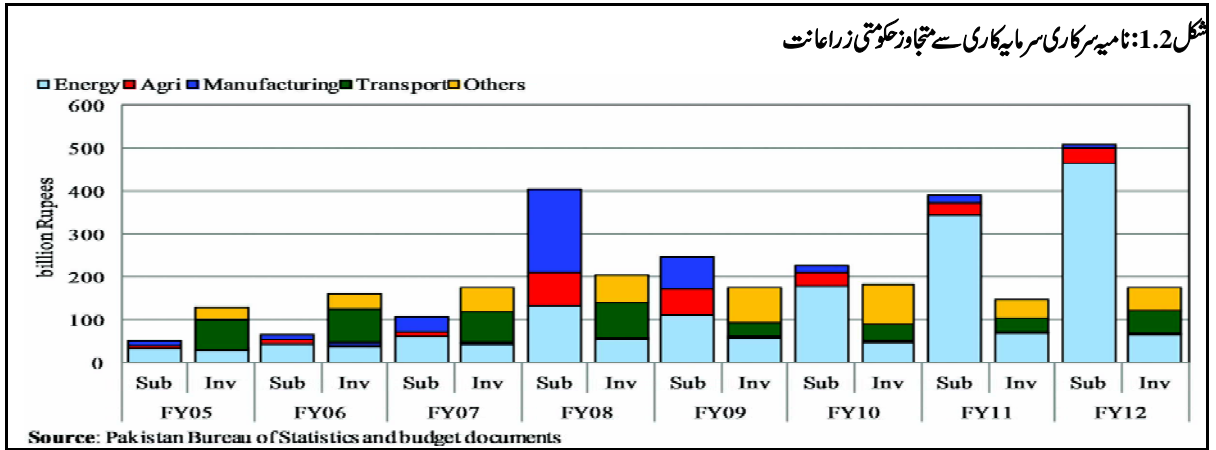
رسد کے پہلو کو دیکھا جائے تو ماس 12ء میں پاکستان کی معاشی نمو وسیع البتہ تھی۔ خدمات سے معیشت کو سہارا ملتا رہا اور اجناس پیدا کرنے والے شعبوں (زراعت اور صنعت) میں

¹ گردش قرضے کی یکبارگی ادائیگی کے بغیر مالیاتی خسارہ جی ڈی پی کا 6.6 فیصد تھا۔ تاہم حکومت نے اس فرق کی ماکاری کردی چنانچہ مجموعی فرق 8.5 فیصد تھا۔



م 11ء کی نسبت بہتری آئی۔ زراعت میں لائیو سٹاک اور خریف کی فصلوں کی بنا پر نمو ہوئی لیکن چھوٹی فصلوں میں م 12ء کی پہلی سہ ماہی کے سیلاب کی وجہ سے کمی آئی۔²

زراعت سے ہونے والے فوائد کے ساتھ بھرپور ترسیلات اور انکم سپورٹ کی اسکیموں کے نتیجے میں تعمیراتی سرگرمیاں اور گھر بلو صرف بڑھی اور ان دونوں سے اشیا سازی کے شعبے کو فائدہ پہنچا۔ جہاں تک خدمات کا تعلق ہے، مالی شعبے کی آمدنی میں تیزی سے بہتری آئی جس کا بنیادی سبب مالیاتی خسارے کی کمرشل بینکوں سے مالکاری کا حجم اور نئے غیر فعال قرضے کی شرح میں سست رفتاری تھی۔



طلب کے حوالے سے حقیقی صرف م 12ء کے دوران 11.1 فیصد بڑھی۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صرف پر حد سے زیادہ انحصار سے نمونہ پائیدار ہو جاتی ہے خصوصاً اس وقت جب ملک میں سرمایہ کاری کی شرح گری ہو (شکل 1.1)۔ م 12ء کے دوران امن و امان کے مسائل، توانائی کی قلت، شعبہ اشیا سازی کی اضافی استعداد، کمرشل بینکوں کی بیلنس شیٹ پر مالیاتی اثرات اور شعبہ جاتی پالیسیوں کے مسائل کی وجہ سے سرمایہ کاری اور جی ڈی پی کا تناسب 12.5 فیصد کی پست سطح پر پہنچ گیا۔ سرکاری سرمایہ کاری بھی زراعت کی زد میں آگئی ہے (شکل 1.2)۔

کم شرح سرمایہ کاری کے علاوہ بجٹ خسارے میں اضافہ بھی ملک کے معاشی استحکام کے لیے اہم چیلنج بن کر ابھرا ہے۔ م 12ء میں حکومت نے خاصی مالیاتی یکجائی کا منصوبہ بنایا تھا لیکن اصل نتیجہ خاصی توسیع کی صورت میں نکلا۔

زراعت ہدف سے تین گنا سے بھی متجاوز ثابت ہوا لیکن اس میں 391 ارب روپے شامل تھے جو پی ایس ای خصوصاً بجلی کے شعبے کا قرضہ چکانے کے لیے خرچ کیے گئے۔³ زر اعانت کو نکال کر مالیاتی خسارہ کم ہو کر جی ڈی پی کے 6.0 فیصد تک رہ جاتا ہے۔ اس سے ہدف سے متجاوز اخراجات بشمول قرضوں کی واپسی اور اس حقیقت کی عکاسی ہوتی ہے کہ نجلی سطح کو مالیاتی اختیارات سوچنے کا عمل اتنی اچھی طرح نہیں ہوا ہے جتنی توقع تھی۔ مزید برآں صوبوں سے توقع تھی کہ ان کے بجٹ فاضل ہوں گے لیکن انہوں نے مجموعی بجٹ

2 ہماری رائے میں چھوٹے پیمانے کی اشیا سازی (ایس ایس ایم) کی 7.5 فیصد مستقل نمو سے ان اشیا سازی یونٹوں میں توانائی کی قلت کا پورا اثر ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ یہ یونٹ عموماً توانائی کی پیداوار کے متبادل ذرائع کے تھل نہیں ہو سکتے۔
3 حقیقت یہ ہے کہ ہائیڈرو پاور کی جانب منتقلی، ایندھن میں سستی گیس کے بجائے مہنگے فرس آنیل کے استعمال، پرانے ڈھانچے کی وجہ سے لائن لاسز، چوری، بلزی ناکافی وصولی، پیداواری یونٹوں کے ناکارہ پن، ایندھن کے غیر یقینی وسائل اور پیداواری لاگت کو پورا کرنے کے لیے ٹیرف بڑھانے میں ناکامی کی بنا پر مالیاتی حکام ان یونٹوں کو زراعت فراہم کرنے کے لیے قومی شخص کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس نے نجی اور سرکاری دونوں شعبوں کے پیداواری یونٹوں میں گنجائش کا استعمال بھی کم کر دیا۔

خسارے میں 39.1 ارب روپے کا حصہ ڈالا۔ 12 مسلسل چھٹا سال تھا جب حکومت کو محاصل کا خسارہ ہوا جبکہ مالیاتی ذمہ داری اور تجدید قرضہ ایکٹ 2005ء کی رو سے محاصل کا فاضل ہونا ضروری ہے۔⁴

منتقلیوں کی ادائیگی مالیاتی بجٹ کی ایک اور بڑی مدتی۔ وطن کارڈ اور بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام جیسے انکم سپورٹ پروگراموں کے ذریعے م س 11ء کے سیلاب کے مصائب کم کرنے کے لیے براہ راست رسائی ضروری سمجھی گئی کیونکہ اس سیلاب سے م س 12ء سے زیادہ نقصان ہوا تھا۔ مالیات پر ایک اور بوجھ پی ایس ایز کی کمزور مالی حالت ہے۔ م س 12ء میں پاکستان ریلوے، اسٹیل ملز، پی آئی اے اور دیگر پی ایس ایز کو 33.8 ارب روپے کی براہ راست امداد کی گئی (دیکھئے باب 2)۔⁵

م س 12ء میں مالیاتی خسارے کی مالکاری بھی مشکل رہی کیونکہ خالص بیرونی مالکاری (جو م س 11ء سے بلند تر تھی) مجموعی مالیاتی فرق کے 8.0 فیصد تک کا بھی احاطہ نہیں کر سکی۔ محدود بیرونی رقم اور زبردستی نقل و حرکت (اتصالات) کے باوجود حکومت غیر بینک مالکاری میں 12.3 فیصد اضافہ کر سکی جس سے 529.4 ارب روپے آئے۔⁶ غیر بینک مالکاری میں اضافے کے باوجود جاری اخراجات کی لہر نے مالیاتی حکام کے پاس سوائے اس کے کوئی راستہ نہ چھوڑا کہ وہ بینکاری نظام پر انحصار کریں، پہلے کمرشل بینکوں کے ذریعے اور پھر اسٹیٹ بینک سے۔ م س 12ء کی چوتھی سہ ماہی کے دوران مرکزی بینک سے سہ ماہی قرض گیری کی حدود کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔⁷

چنانچہ ملکی قرضہ دوران سال 16 کھرب روپے (27.0 فیصد کی سال بسال نمو) بڑھ گیا اور سرکاری قرضے اور جی ڈی پی کا تناسب 62.6 فیصد تک پہنچ گیا۔⁸ اس قرضے کی قلیل مدت کی جانب منتقلی سے نہ صرف ملک پر قرضے کی واپسی کے بوجھ میں اضافہ ہوا ہے بلکہ اجرائے ثانی اور شرح سود کے خطرات بھی شدید تر ہو گئے ہیں۔ قرضے کی ان حرکیات کے ساتھ بنیادی اور محصولاتی خساروں کے اٹل ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان قرضے کے جال کی طرف بڑھ سکتا ہے۔

قرضے کی موجودہ ہیئت ترکیبی نے زری انتظام کو بھی پیچیدہ بنا دیا ہے اور یہ معاملہ اس بنا پر مزید سنگین ہو گیا کہ (دوران سال) زرمبادلہ کے ذخائر میں کمی سیالیت کو جذب کرتی رہی۔ مرکزی بینک کو قیمتوں کا لحاظ نہ کرنے والے ایک غالب قرض گیر کا سامنا تھا اور وہ خسارے کی مالکاری سے گریز کرتا ہے اس لیے اسے نظام میں (بازار زر کے سودوں کے ذریعے) قلیل مدتی سیالیت کا ادخال کرنا پڑا تاکہ منڈی کی سیالیت کی صورتحال درست کی جاسکے۔

کمرشل بینکوں کو حکومت کو قرض دینے میں کوئی عار نہ تھا۔ جون 2012ء تک کمرشل بینکوں کی خسارے کی مالکاری (یعنی ان کی حکومتی تسکات کی تحویل) ان کی مجموعی بیلنس شیٹ کا 34.4 فیصد تھی جبکہ نجی شعبے کو دیا گیا قرض صرف 39 فیصد تھا: جون 2008ء میں حکومتی تسکات کا اسٹاک صرف 16.4 فیصد تھا جبکہ نجی شعبے کو دیا گیا قرض ان کے کل اثاثوں کا 52.44 فیصد تھا۔ بینکوں کی بیلنس شیٹ میں یہ اہم تبدیلی بینکوں کے لیے باعث اطمینان ہو سکتی ہے (منافع کی وجہ سے اور ان کے خطرہ بہ وزن اثاثوں میں بہتری کی بنا پر) لیکن اس سے ان کا خطرے سے بڑھتا ہوا گریز بھی ظاہر ہوتا ہے۔

م س 12ء کے دوران نجی شعبے کے کاروبار کو دیا گیا خالص قرض صرف 18.3 ارب روپے تھا جبکہ کمرشل بینکوں نے بجٹ خسارے کی مالکاری (اور گردش قرضے کے تصفیے) کے لیے 692.3 ارب روپے (خالص) دیے۔ پاکستان میں مالی شعبے پر چونکہ بینکوں کا غلبہ ہے اس لیے اسٹیٹ بینک کو تشویش ہے کہ بینک نجی بچت کنندگان اور قرض گیروں کے درمیان وساطتی کردار کی انجام دہی سے دور ہٹ رہے ہیں۔ قرض دینے کی حکمت عملی میں اس تبدیلی سے نجی شعبے کو نقصان ہو رہا ہے۔

4 مالیاتی ذمہ داری و تجدید قرضہ ایکٹ 2005ء میں بیان کیا گیا ہے کہ حکومت کو 2008ء اور اس کے بعد فاضل محاصل پیدا کرنے چاہئیں۔

5 کپنی ریورٹوں اور سرکاری بیانات سے واضح ہے کہ حکومت کی براہ راست فنڈنگ تنخواہوں اور پنشنوں ادا کرنے کے لیے اور اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ہے کہ کم سے کم خدمات فراہم کی جائیں۔

6 تاہم یہ عدد گمراہ کن ہے۔ اس رقم میں سے 1229 ارب روپے غیر بینک مالی اداروں (زیادہ تر میوچل فنڈز) سے آئے جنہوں نے بنیادی طور پر خود یہ رقم پیدا نہیں کیں: یہ ”غیر بینک“ مالکاری زیادہ تر کمرشل بینکوں سے آئی اور غیر بینک مالی اداروں سے محض گلداری گئی۔ دوسری جانب م س 12ء میں قومی بچت آئینوں کے توسط سے آنے والی خالص رقم فقط 142 ارب روپے تھی۔

7 ایس بی پی ایکٹ 1956ء کی نئی دفعہ 9 سی کے مطابق اسٹیٹ بینک سے وفاقی حکومت کی قرض گیری کا بھروسہ محدود کر دیا گیا ہے اور اس پر خالص صفر سہ ماہی قرض گیری کی حد عائد کر دی گئی ہے۔

8 مالیاتی ذمہ داری و تجدید قرضہ ایکٹ 2005ء میں بیان کیا گیا ہے کہ سرکاری قرضہ گنٹا کرم 13ء کے آخر تک جی ڈی پی کے 60 فیصد تک لانا ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کے پاس سرکاری قرضے کو سنبھالنے کے لیے رواں مالی سال کے آخر تک باقوت ہے۔ اسٹیٹ بینک کی سرکاری قرضے کی تعریف وزارت خزانہ کی تعریف سے مختلف ہے کیونکہ اس میں قومی قرضہ، قلیل مدتی قرضہ اور بیرونی واجبات شامل ہیں۔ وزارت خزانہ کی تعریف کے مطابق سرکاری قرضے کا اسٹاک آخر جون 2012ء پر 12.7 ارب روپے ہو چکا ہے جو جی ڈی پی کا 61.3 فیصد ہے۔

دیگر عوامل کے علاوہ اسٹیٹ بینک کامس 12ء کی پہلی ششماہی میں پالیسی ریٹ میں مجموعی طور پر 200 بی پی ایس کی کٹوتی کرنے کا فیصلہ جزو اندکوردہ بالائتوشلیش کی بنا پر تھا۔ تاہم ایک بے خطر غالب قرض گیری کی موجودگی میں بینکوں کی اوسط قرض گیری کی شرحیں صرف 112 بی پی ایس کم ہوئیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بینک نجی شعبے کو قرض دینے میں خدشات میں مبتلا ہیں (یاد لچپی نہیں رکھتے) اور حکومتی تمسکات پر پست منافع بھی قبول کرنے پر آمادہ تھے۔

معینہ سرمایہ کاری قرضے کئی سال سے گر رہے تھے اور اب جمود کا شکار ہو گئے ہیں۔ زیادہ تشویش ناک امر جاری سرمائے کے قرضوں اور تجارتی مالکاری میں دوران سال تیزی سے ہونے والی کمی ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اجناس (یعنی کپاس اور گنے) کی قیمتوں میں کمی، ایکسپورٹ فنانس اسکیم کے تحت قرضوں کے کڑی شرائط اور زرمبادلہ کے قرضوں میں کمی سے جاری سرمائے کی ضروریات کم ہوں گی تاہم پست سطح سے ظاہر ہے کہ بینک سرکاری شعبے کو قرض دینے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔

پیشتر دیگر ممالک کی طرح نجی شعبے کے قرضہ جاتی توازن کا جزئیاتی تجزیہ کرنے کے لیے مفصل اعداد و شمار موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ قرضوں کی طلب کیا ہے اور بینک درحقیقت کتنا قرض دینے پر آمادہ ہیں۔ جیسا کہ متوقع ہے، نجی شعبوں کے قرضے میں تیزی سے کمی کی متضاد تشریحات ہیں: بینکوں کو شکایت ہے کہ معیاری قرض گیریوں کا فقدان ہے اور وہ سرمایہ کاری کی راہ میں نان پرائس رکاوٹوں کو بجا طور پر اجاگر کرتے ہیں (مثلاً توانائی کی قلت، امن و امان کی صورتحال، انتخابات کی آمد وغیرہ)۔ دوسری طرف کاروباری افراد ہمیشہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بینک قرض دینے پر آمادہ نہیں اور اس لیے بہت زیادہ مارجن چارج کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں کمرشل بینکوں کو ایک غالب قرض گیری کے اثرات کی بنا پر قرضے کے خطرات کے حوالے سے تشویش رہتی ہے اس لیے وہ نجی شعبے پر خطرے کا مارجن بڑھا دیتے ہیں۔ عملاً جب ایک غالب قرض گیری کے حوالے سے مندی جاری ہو تو بینک خطرے سے مزید گریزاں ہو جاتے ہیں جس سے نجی شعبے کی سرگرمیوں میں اور بھی سستی آ جاتی ہے۔ جب غالب قرض گیری بالکل ہی منظر نامے سے ہٹ جائے تو نتائج میں نمایاں تبدیلی آتی ہے۔⁹

آخر اگست 12ء کے آغاز میں اسٹیٹ بینک کو اصل تشویش بیرونی شعبے کی تھی کیونکہ یہ توقع نہیں تھی کہ کمس 11ء کی طرح یکبارگی جاری حسابات کے فاضل کا اعادہ نہیں ہوگا۔ ستمبر 2011ء میں آئی ایم ایف کے اسٹیٹڈ بانی اریٹج منٹ کی میعاد کے خاتمے کے بعد منڈی کو آئی ایم ایف کے قرضے کی واپسی میں تیزی کی فکر تھی جو کمس 12ء میں شروع ہونے لگی۔ جب مالی سال کے پہلے چند مہینوں میں تجارتی خسارہ بدتر ہو گیا اور ترسیلات تو قعات سے نیچے چلی گئیں تو توازن ادائیگی کے ابتدائی تخمینوں پر نظر ثانی کی گئی اور بیرونی خسارہ بڑھا دیا گیا۔ نتیجتاً اسٹیٹ بینک نے جاری حسابات کے خسارے کی پیش گوئی کو 2.2 فیصد ارب ڈالر اور توازن ادائیگی کے فرق کو 3.4 ارب ڈالر پر رکھا۔

سال کے اصل اعداد و شمار بہتر رہے: جاری حسابات کا خسارہ 4.6 ارب ڈالر اور مجموعی فرق 3.3 ارب ڈالر رہا، چنانچہ پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر 4.0 ارب ڈالر کم ہوئے جبکہ پہلے 4.4 ارب ڈالر کی پیش گوئی کی گئی تھی۔ تاہم اس سے دوران سال روپے کی قدر میں 9.1 فیصد کمی ہوئی۔ نومبر سے دسمبر 2011ء تک روپے کی قدر گرتی رہی اور مئی 2012ء کے آخری ہفتے میں تیزی سے کم ہوئی۔ پہلی کمی غالباً افغانستان کو جانے والی نیٹو ریسرڈ کی بندش کی بنا پر ہوئی اور تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی بنا پر برقرار رہی۔ دوسری کمی عالمی حالات کے تناظر میں منڈی میں تھوڑے عرصے کے لیے پیدا ہونے والی گھبراہٹ تھی۔¹⁰ عملاً روپیہ اصل معاشی مبادیات کے بجائے یکبارگی ہونے والے واقعات سے زیادہ متاثر ہوا۔

اہم اشیائے تجارت کو دیکھا جائے تو برآمدی وصولیوں کی منفی نمو کی بنیادی وجہ ٹیکسٹائل کی برآمدات تھیں اور اصل تجارتی خسارہ تخمین شدہ رقم سے تھوڑا سا زیادہ تھا۔ تاہم تیل کی قیمت سے ملک کو کچھ سہارا ملا۔ جولائی سے اکتوبر 2011ء کے درمیان تیل کی قیمتوں میں کچھ بہتری آئی لیکن نومبر اور مارچ کے درمیان ذرا سی بڑھ گئیں اور پھر اپریل سے جون 2012ء

⁹ اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے پچھلے کی خاطر ایک فریم ورک تیار کیا گیا۔ اس فریم ورک کو مخالف گردش بینک مارجنز (جو صرف اس حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ بینک مارجنز میں خطرہ قرض کا پریمیم شامل ہوتا ہے اور یہ خطرہ بازار کی تیزی کے دوران کم اور مندی میں زیادہ ہوتا ہے) کے تصور سے منسلک کرنے پر ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ کساد بازاری کے قریب ماحول میں جہاں ایک غالب قرض گیری (حکومت) موجود ہو، ڈس کاؤنٹ ریٹ میں اضافے سے یہ ہوتا ہے کہ غیر مقدم (non-prime) قرض گیریوں کو پیمائش کردہ شرح قرض گاری میں مبالغہ آمیز اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس سے نجی شعبے کو قرض کی فراہمی میں بہت کمی ہو جاتی ہے کیونکہ حکومت اور زیادہ پرکشش ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ کشائے شرح میں اضافے سے دستاویزی اوسط شرح قرض گاری کے لحاظ سے صرف جزوی منتقلی (pass-through) ممکن ہوتی ہے کیونکہ بازار قرضہ سے غیر مقدم قرض گیریوں کو قرضے تقسیم ہو جاتے ہیں۔ چونکہ بینک صرف مقدم (prime) قرض گیریوں پر توجہ مرکوز کرتے ہیں اس لیے اوسط شرح قرض گاری میں اضافہ کم ہوتا ہے۔

¹⁰ مئی 2012ء میں خطے میں اور اس سے آگے کرنی میں اتار چڑھاؤ دیکھا گیا۔ اس مہینے پاکستانی روپے کی قدر میں 2.2 فیصد اور بھارتی روپے کی قدر میں 5.1 فیصد کمی ہوئی۔ سری لنکا روپیہ قدر میں 1.5 فیصد اور بنگلہ دیشی ڈالر 0.3 فیصد گھٹ گیا۔ مذکورہ ماہ کے دوران برطانوی اسٹریٹنگ کی قدر بھی 3.3 فیصد کم ہوئی۔

تک تیزی سے گریں۔ مؤخر الذکر مدت کی وجہ سے اصل توازن ادائیگی توقع سے بہتر رہا۔ حتیٰ کہ مرس 12ء کی دوسری ششماہی میں آئی ایم ایف کو 1.3 ارب ڈالر کی یکمشت ادائیگی اور بین الاقوامی مالی اداروں کو مزید 1.3 ارب ڈالر کی قرض داری سے بھی بازا میں ابتری نہیں پھیلی (دیکھئے مرس 13ء کے امکانات)۔

فیصلہ کن عنصر کمزور ترسیلات تھیں۔ مرس 12ء میں 12.5 ارب ڈالر کی پیش گوئی کی گئی تھی لیکن پاکستان کو صرف 13.2 ارب ڈالر مل سکے۔ عالمی معیشت میں جاری کمزوریوں کے باوجود 17.7 فیصد نمو حاصل کرنی گئی کیونکہ سال کے دوران بیرون ملک کام کرنے والے پاکستانیوں کی تعداد 6.4 فیصد بڑھ گئی۔¹¹ اس صورتحال کو صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو ملک میں آنے والی ترسیلات کی روپے میں قدر سال کے دوران ملکی رسد زریں اضافے سے تجاوز کر گئی۔ جیسا کہ ”امکانات“ میں زیر بحث آئے گا، اسٹیٹ بینک کو امید ہے کہ مرس 13ء کے باقی ماندہ عرصے میں بھی ترسیلات کی بھرپور نمو جاری رہے گی۔

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں پاکستان کے معاشی مسائل کا حل مالیاتی، پی ایس ایز اور توانائی کے شعبوں میں فیصلہ کن اصلاحات کا آغاز کرنے میں مضمر ہے (دیکھئے باکس 1.1)۔ یہ اصلاحات نہ صرف قلیل سرکاری وسائل کا انتظام کرنے کے لیے ناگزیر ہیں جو اس صورت میں زیادہ پیداواری طور پر استعمال کیے جاسکتے ہیں بلکہ سرکاری خدمات، انفراسٹرکچر کو بہتر بنانے اور سرمایہ کاری کو بحال کرنے کے لیے بھی۔

باکس 1.1: پاکستان کی معاشی نمو بڑھانے کے لیے دو کارآمد اصلاحات
پاکستان کی معاشی کارکردگی جانچنے کے لیے تین نکات اہم ہیں:

توانائی کے شعبے کی اصلاحات

حالیہ برسوں میں توانائی کے پی ایس ایز پر بڑھتے ہوئے نقصانات محدود مالی وسائل کے زیاں کا باعث بن رہے ہیں۔ خصوصاً وفاقی حکومت گذشتہ چار برسوں (م 09 تا م 12) کے دوران بجلی کے شعبے کو کرب روپے فراہم کر چکی ہے۔ یہ رقم دیباہر بھاشا ڈیم کی تعمیر پر آنے والی لاگت سے زیادہ ہے۔ ان کوششوں کے باوجود مرس 12ء میں ملک کو بجلی و قدرتی گیس دونوں کی ریکارڈ قلت کا سامنا کرنا پڑا اور 27 جولائی 2012ء تک گزشتہ قرضہ 382.5 ارب روپے کی سطح تک پہنچ گیا تھا۔ اس برس منظر میں ہمارے تجزیے میں ذیل میں دیے گئے نکات پر توجہ مرکوز رہے گی:

- 1۔ **غلیل مدتی حل:** بجلی کے شعبے کی گنجائش کے استعمال کو بڑھانا ضروری ہے۔ اس مرحلے پر مقصدنی گنجائش میں سرمایہ کاری کے بجائے دستیاب انفراسٹرکچر سے استفادہ ہونا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ نقد قرضوں کی دستیابی میں رکاوٹ نہ ہو اور حکومتی ضمانتیں پوری کی جائیں۔ اس کے علاوہ زراعت کا درست بجٹ بنایا جائے اور سرکاری و نیم سرکاری اداروں کو بلز کی بروقت ادائیگی پر مجبور کیا جائے۔
 - 2۔ پیداوار اور ترسیل کی سطح پر چوری اور خامیوں کے باعث ہونے والے نقصانات سے تنجیدگی کے ساتھ نمٹا جائے۔ اس ضمن میں بجاری شدہ کے ای ایس سی کی مثال قابل ذکر ہے: اس یونٹ میں ادارے نے فاضل عملے (یونین کی سخت مخالفت کے باوجود) سے نجات حاصل کی، غیر ادا شدہ بلز کے باعث بجلی کی رسد منقطع (حتیٰ کہ اعلیٰ سطح کے حکومتی اداروں کی بھی) کی گئی، زیادہ بہتر کارکردگی والے پیداواری یونٹوں میں سرمایہ کاری کی گئی اور کمرشل بنیادوں پر لوڈ شیڈنگ کا نظام الاوقات تشکیل دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں کراچی کی صورتحال ملک کے باقی حصوں کے مقابلے میں بالکل مختلف ہے۔
 - 3۔ ڈسکوز (DISCOs) کو چاہیے کہ وہ وصولی بڑھانے کے لیے ضروری اقدامات کریں کیونکہ موجودہ صورتحال اطمینان بخش نہیں۔
 - 4۔ ہائیڈرو پاور کو نئے پریمی پیداواری یونٹوں کو ترقی دینے کے لیے وسط تا طویل مدتی جامع حکمت عملی تشکیل دینا۔ بہت حد تک اس کا حامل ہے۔ عوام کو اس منصوبے سے آگاہ کرنا چاہیے تاکہ ان کے علم میں یہ بات ہو کہ آئندہ چند برسوں میں توانائی کی رسد کے مسئلے کو حل کیا جائے گا۔
 - 5۔ بجلی و گیس کی قیمتوں کا تعین کرنے والے ضوابطی اداروں کو چاہیے کہ وہ استعمال کنندگان کے لیے قیمتوں کے تعین پر دو بارہ غور کریں۔ گھروں اور صنعتوں کے لیے گیس کی کم قیمت مقرر کرنے کا نتیجہ اس کے زیاں کی صورت میں نکلتا ہے اور اس پر بھاری موقع لاگت آتی ہے (دیکھئے باب 3)۔ اگرچہ حکومت نے حال ہی میں منظور ہونے والی پٹرولیم پالیسی میں قیمتوں میں خاصا اضافہ کرتے ہوئے پورے ملک کے لیے معیاری قیمت (جس سے ملک میں تیل و گیس کی دریافت کے لیے زیادہ بیرونی سرمایہ کاری آئی چاہیے) مقرر کی ہے لیکن اس سے پہلے سیکورٹی اور معاہدے پر عملدرآمد کے بارے میں خطرات دور کرنا ضروری ہے۔
- مذکورہ بالا مسائل کے پیش نظر حکومت نے توانائی کے شعبے میں ساختی مسائل کو حل کرنے کے لیے تشکیل دیے گئے ایک منصوبہ تیار کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مالی اعانت کے علاوہ ذیل میں دیے گئے اقدامات بھی قابل ذکر ہیں:

- 1۔ پیکو کی تحلیل کو حتمی شکل دے دی گئی ہے۔ بجلی کے شعبے میں پیکو کی انتظامی اور مالی مداخلت ختم کر دی گئی ہے۔
- 2۔ سی پی پی اے، کیسکو، ہینیکو، ہولڈنگ کمپنی (جی ایچ سی) کے نئے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی تشکیل۔ جی ایچ سی، جیسکو اور پیسکو کے نئے سربراہان کا تقرر کیا جا چکا ہے، جبکہ تین دوسری ڈسکوز (لیسکو، ہینیکو اور سیکو) کے سربراہان کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔
- 3۔ فیول پرائس ایڈجسٹمنٹ (ایف پی اے) کا بار صارفین کو منتقل کرنے کے لیے نیہر 11 ایکٹ میں ترمیم کر لی گئی ہے۔ تاہم نیہر 11 ایف پی اے کے تعین میں تاخیر کر رہی ہے جو اس شعبے میں سیالیت کے بحران کا ایک سبب ہے۔
- 4۔ کابینہ نے بجلی چوری اور دیگر انتظامی نقصانات کی روک تھام کے لیے قانونی فریم ورک مستحکم کرنے کی غرض سے ایک نیا کیٹیگریٹری ایکٹ منظور کیا ہے۔

11 ماخذ: پیور آف انیگریٹیشن ایجنڈا اور سیزر ایپلائیمنٹ، اسلام آباد۔

حکومت ان اصلاحات کے علاوہ ملک کے لیے ایک پائیدار، ناقابل تنسیخ اور معتبر ازجی پالیسی تشکیل دینے کی غرض سے عالمی مالی اداروں کے ساتھ مل کر کام کرے گی۔

سرکاری شعبے کے اداروں کی اصلاحات

اگرچہ توانائی عوام کی توجہ کا مرکز و محور رہی ہے تاہم یہ بات سمجھ لینی ہوگی کہ توانائی کے شعبے میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ سرکاری شعبے کے ادارے تجارتی طور پر کام کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ دوسرے سرکاری اداروں مثلاً پاکستان ریلوے، پی آئی اے، اور پاکستان اسٹیل ملز کو بھی اصلاحات کی مشکل راہ اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ انہیں پھر سے کاروباری طور پر چلنے کے قابل بنایا جاسکے۔ اصلاحات کی جامع حکمت عملیاں بنائی جا چکی ہیں، عملے میں کمی اور پریزنٹ کو معقول بنانے کا صرف پہلا مشکل قدم اٹھانے کا عزم درکار ہے۔ سادہ لفظوں میں، ان سرکاری اداروں کو ایسے بزنس پلان نافذ کرنے کی ضرورت ہے جو تجارتی بقا کے سخت معیاروں پر پورا اترتے ہوں۔ اس تناظر میں حکومت نے پی آئی اے اور پاکستان اسٹیل ملز میں سینئر انتظامیہ کو تبدیل کرنے کے لیے چند اقدامات کیے ہیں۔¹²

مالیاتی اصلاحات

معاملات کو درست تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔ مئی 07ء سے پاکستان محصولات خسارے اور بنیادی خسارے¹³ سے بھی دوچار چلا آ رہا ہے، بہتری صرف اس لحاظ سے آئی ہے کہ ان خساروں میں مئی 11ء کی نسبت مئی 12ء میں معمولی کمی آئی ہے۔ محصولات خسارے کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اخراجات جاریہ پورے کرنے کے لیے قرضہ لے رہی ہے، یعنی دراصل وہ ادائیگی کی استعداد پیدا کیے بغیر قرضہ لے رہی ہے (بالفرض تمام ترقیاتی اخراجات مؤثر طریقے سے استعمال ہو رہے ہوں اور قرض کی واپسی کی استعداد بھی پیدا کر رہے ہوں)۔

توانائی کے شعبے میں یہ مالیاتی مسئلہ اور بینکوں پر اس کے اثرات اس رپورٹ میں بار بار زکرت کی صورت میں موجود ہیں۔ مسئلہ محل وہی ہے جو بین الاقوامی مالی ادارے کئی برس سے پیش کر رہے ہیں۔ تاہم پاکستان کی شرح سرمایہ کاری پہلے ہی نہایت پست ہے، اس مالیاتی مسئلہ کو بھی سرمایہ کاری کے اجا کے لیے اقدامات کے ساتھ ساتھ حل کرنا ہوگا۔ یورپ کی طرح مالیاتی کفایت شعاری اور نجی شعبے کی نمو، دونوں کے حصول کے لیے ایک اصلاحاتی منصوبہ بنانا ہوگا۔

1.3 عالمی اقتصادی حالات اور پاکستان کے لیے مضمرات

پورے مئی 12ء کے دوران یورپی پالیسی ساز متضاد اہداف حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے: مسلسل تشکیک میں مبتلا عالمی مالی بازار میں استحکام لانے کے لیے ٹھوس مالیاتی کفایت شعاری کیسے دکھائی جائے، اور سرکاری شعبے کے ملازمین کو کیسے مطمئن کیا جائے جو نوآباد (یاروزگار) سے محروم ہو سکتے ہیں، تاکہ وہ اسی لحاظ سے ووٹ ڈالیں۔ یہ تکلیف دہ سمجھوتہ اس بنا پر اور بھی مشکل ہو گیا کہ یورو کے ارکان کو دو گروہوں میں بانٹا جاسکتا ہے: وہ جو مالیاتی طور پر ذمہ دار ہیں اور وہ جو نہیں ہے۔ خوش قسمتی سے بازار سے معلوم ہو چکا ہے کہ کون سا ملک کس گروہ میں ہے: یونان، اسپین، پرتگال، آئرلینڈ، اٹلی اور قبرص کو مدد درکار ہے جبکہ جرمنی، فن لینڈ اور آسٹریلیا کو مدد درکار نہیں۔

اگر کوئی اتحاد سیاسی ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی بھی ہو تو اس قسم کے اختلافات سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف ممالک کو بازار کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے کتنی تکلیف برداشت کرنی ہوگی۔ چنانچہ حیرت کی بات نہیں کہ کفایت شعاری کے حامی وہ ممالک ہیں جنہیں کم تکلیف برداشت کرنی ہوگی اور جو مالک نمو چاہتے ہیں وہ اس تکلیف کو ملتوی کرنا چاہیں گے۔ مالیاتی اصلاحات کو مؤخر (اور نمکی سمت میں پیش رفت) کرنے سے مستقبل کے کفایت شعاری کے منصوبوں کی سہا کا مسئلہ جنم لیتا ہے جو یورو میں پریشان کن ممالک کے ٹریک ریکارڈ کے پیش نظر آسان نہیں۔

ایک اور پیچیدگی یہ ہے کہ یورو کے بعض ارکان کو دوسروں کو بیل آؤٹ کرنا پڑے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ ٹیکس گزاروں کو دوسروں کا بوجھ اٹھانا ہوگا اور یہ معاملہ فقط پریشان کن ممالک کو ان کے قرضوں کی واپسی پر قائم رکھنے کے لیے کافی رقم قرض دینے کا نہیں۔ ان ممالک کے قرضے اور جی ڈی پی کے تناسبات پہلے ہی زیادہ ہیں، جو بازار میں ریاستی بانڈز کے نرخوں کا تعین کرنے کا اہم پیمانہ ہے (جدول 7.4)۔ چنانچہ ایک معتبر حل یہی ہوگا کہ نظم و ضبط کے پابند ممالک سے کم پابند ممالک کو گرانٹس منتقل ہوں، جو آسان نہ ہوگا۔ زیادہ تر امکان یہ ہے کہ یہ مسئلہ یونہی کھینچتا رہے گا اور اس کے نتیجے میں جو بے یقینی پیدا ہوگی وہ آئندہ کئی برسوں تک یورو خطے کو کساد بازاری کی حالت میں رکھے گی۔

دوسری جانب امریکہ میں صورتحال کسی قدر بہتر رہی ہے۔ لیکن امریکہ میں بھی جنوری 2013ء میں فیکل کلف (fiscal cliff) کی آمد آمد پر اس بارے میں بہت غیر یقینی کیفیت پیدا ہوئی کہ کیا وقوع پذیر ہونے کا امکان ہے۔¹⁴ غیر جماعتی کانگریس کا ٹیکس بٹ آفس کی پیش گوئی تھی کہ کلف سے امریکہ کی جی ڈی پی میں 2.9 فیصد کمی آسکتی ہے جس سے امریکی بیرونی گاری دوبارہ 9 فیصد سے تجاوز کر جائے گی۔ مجموعی اثر یہ ہوتا کہ 1560 ارب ڈالر یا جی ڈی پی کے 3.5 فیصد کے برابر مالیاتی سکڑاؤ آتا۔

12 توقع ہے کہ پاکستان اسٹیل ملز کو موجودہ بیل آؤٹ پیکیج سے اس کا گنجائش کا استعمال جو 20 فیصد ہے بڑھ کر 55 فیصد ہو جائے گا۔ اسی طرح پی آئی اے کی نئی انتظامیہ نے بھی اپنا سوادہ بزنس پلان تیار کیا ہے جس کی نوک پک سنواری جاری ہے۔

13 بنیادی خسارے کا مطلب یہ ہے کہ محاصل (ٹیکس اور غیر ٹیکس) غیر سودی اخراجات بھی پورے نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حکومت کو قرض کی واپسی کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے قرض لینا ہی پڑے گا۔

14 کلف کا مطلب ہے وہ مخصوص ٹیکس قوانین جن کی میعاد ستمبر 2012ء میں ختم ہو جائے گی جس سے ہش دور کی ٹیکس کوٹیوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور بیرونی گاری کے بعض فوائد ٹیکس ہائیڈریڈ کا سلسلہ رکھ جائے گا۔

2013ء کے اوائل میں فنکل کلف کا تصفیہ ایک عارضی سمجھوتہ تھا۔ بہت امیر افراد پر ٹیکس خود بخود بڑھ گئے ہیں لیکن اخراجات کی کٹوتی دو ماہ کے لیے مؤخر ہو گئی ہے۔ زیادہ معتبر حل کے لیے قرضے کے بالائی حدود کے بارے میں کانگریس کا فیصلہ درکار ہوگا جو سیاسی تقسیم کا باعث بن سکتا ہے۔

بہر حال یہ معلوم ہے کہ پچھلے چند برسوں میں معمولی امریکی نمونے روزگار پیدا نہیں کیا۔ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ روزگار کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے کئی یوراجیہ میں کمی کرتے رہیں گے (یعنی اپنے قرضے ادا کرتے رہیں گے) جس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی بحالی کا انتہائی کم امکان ہے جس میں صارفین پیش پیش ہوں۔ اس سلسلے میں تشویش بڑھتی جا رہی ہے کیونکہ دو تہائی امریکی معیشت صارفین کے خرچ سے چلتی ہے۔ چنانچہ فیڈرل ریزرو بینک نے مقداری نرمی (QE3) کے تیسرے مرحلے کا اعلان کیا ہے جو بانڈ کی خریداری کا کھلا پروگرام ہے جس کا مقصد نہ صرف معاشی نمو کو بحال کرنا ہے بلکہ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ روزگار پیدا کرنا ہے۔ تجزیہ کاروں کو یقین نہیں کہ سیالیٹ کا یوں ادخال کرنے سے لازماً روزگار پیدا ہوگا خصوصاً اس لیے کہ حکومت کی توجہ مکانات کی منڈی کو بحال کرنے کی جانب ہے۔

اس پر متزاد یہ کہ ایشیائی دیوپیکر معیشتوں میں سستی آرہی ہے۔ چونکہ چین اور بھارت گذشتہ پوری دہائی کے دوران عالمی معاشی نمو کو متحرک کر رہے تھے اس لیے اس سست رفتاری کی وجہ امریکہ اور یورپی یونین کی جانب سے برآمدات کی گرتی ہوئی طلب ہو سکتی ہے۔ عملاً برآمدات پر چلنے والے یہ ممالک ادای سی ڈی کے وبائی اثرات سے بچ نہیں سکتے۔

اگرچہ چین اور بھارت دونوں کا اہم ترین مسئلہ برآمدات میں کمی ہے تاہم بھارت میں ملکی طلب گھٹ رہی ہے۔ بھارتی پالیسی سازوں کے لیے خاص طور پر کم ہوتی ہوئی کارپوریٹ سرمایہ کاری، کم سرکاری سرمایہ کاری اور خام مال کی بڑھتی ہوئی لاگت پریشانی کا سبب ہے۔ مزید برآں، سرکاری زراعت کا بھاری بوجھ مالیاتی دباؤ ڈال رہا ہے جسے سیاسی طور پر روکنا مشکل ہے۔ دوسری جانب چین میں بھی سست رفتاری آرہی ہے اور یہ تشویش پیدا ہو گئی ہے کہ چینی برآمدات کی طلب میں کمی سے کہیں بیروزگاری نہ بڑھ جائے اور ریکٹل اسٹیٹ کی منڈی میں تیزی کا رجحان ختم نہ ہو جائے۔

چونکہ مستقبل قریب میں عالمی معیشت کی بحالی کی توقع نہیں اس لیے پاکستانی بیرونی شعبے کے امکانات ملے جلے ہیں۔ اگرچہ عالمی کساد بازاری سے پاکستان کی برآمدات کو نقصان پہنچتا تاہم اجناس کی بین الاقوامی قیمتوں سے مثبت پہلو ابھرنے کی امید ہے جن میں نمایاں ترین تیل ہے۔ یہ واضح ہے کہ شام اور ایران میں سیاسی بے یقینی کی وجہ سے تیل کی قیمتیں بلند ہیں لیکن عالمی معیشت بھی اس کی زد میں آرہی ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ بے یقینی کی یہ کیفیت امریکی انتخابات کے بعد ختم ہو جائے گی جس کا مطلب یہ ہوا کہ ماس 13ء کے بقیر نصف حصے میں تیل کی قیمتیں گریں گی۔

اس بحث میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ گذشتہ عشرے میں تیل کی عالمی طلب زیادہ تر ایشیا (یعنی چین اور بھارت) کی طرف سے آئی: اگر یہ معیشتیں سست ہو گئیں تو تیل کی عالمی طلب متاثر ہوگی۔ اس کے ساتھ جب سرمایہ کاری جاری ہو و بھران کے پیش نظر اپنے زرخیز کرسی میں مطابقت پیدا کریں گے اور اس کے نتیجے میں امریکی ڈالر مضبوط ہوگا تو قابل غور امر یہ ہے کہ تیل کی قیمت ڈالر میں مقرر کی جاتی ہے۔ چنانچہ تیل کی عالمی طلب میں کمی اور مضبوط ڈالر کے نتیجے میں تیل کی قیمتیں نیچے جانے کا امکان ہے۔ جیسا کہ باب 8 میں کہا گیا، تیل کی قیمتوں میں نرمی کا پاکستان کے جاری کھاتے کے خسارے پر فیصلہ کن اثر پڑ سکتا ہے جبکہ غذائی ایشیا (گندم اور چاول) کی بڑھتی ہوئی قیمتیں مارجن کے حوالے سے معاون ثابت ہوں گی۔ خالص لحاظ سے پاکستان کا بیرونی شعبہ عالمی معیشت کے حالات سے قدرے محفوظ ہے بلکہ اجناس کی قیمتوں میں کچھ بہتری کا امکان ہے۔

1.4 مالی سال 13ء کے امکانات

مالی سال 13ء کے لیے جی ڈی پی نمو کا ہدف 4.3 فیصد خوش امید پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی شرح نمو اتنی ہی ہوگی جتنی پچھلے سال تھی (جدول 1.2)۔ ہمیں اعتقاد ہے کہ اس سال کم شدت کا سیلاب اور دیگر عوامل جن کے طفیل ماس 12ء میں 3.7 فیصد نمو ممکن ہوئی تھی، زیادہ تر وہی کارفرما رہیں گے۔

ہو سکتا ہے کہ شعبہ توانائی، پی ایس ایز اور مالیاتی شعبے کے ساختی مسائل جلد حل نہ ہوں۔ تاہم چونکہ حکومت نے ماس 12ء میں جمع شدہ زراعت ادا کر دیا ہے اس لیے ہمیں توقع نہیں کہ اس سال بھی انتہائی مالیاتی دباؤ ہوگا۔ چونکہ حکومت کو امید ہے کہ جی ڈی پی کے 4.7 فیصد کا مالیاتی خسارے کا ہدف حاصل ہو جائے گا اس لیے ہمارے خیال میں 6-7 فیصد کی حد زیادہ حقیقت پسندانہ ہے۔

جدول 1.2: اہم معاشی اہداف اور پیش گوئیاں		
م 13ء اسٹیٹ بینک کی پیش گوئیاں	م 13ء اہداف	م 12ء ع
فیصد نمو		
3.0 - 4.0	4.3	3.7
8.0 - 9.0	9.5	11.0
14.0 - 15.0		14.1
ارب ڈالر		
14.0 - 15.0	14.1	13.2
25.0 - 25.5	25.8	24.6
41.0 - 42.0	42.9	40.0
فیصد جی ڈی پی		
6.0 - 7.0	4.7	6.6
0.5 - 1.5	1.9	2.0

نوٹ: مالیاتی اور جاری حسابات کے خسارے اور جی ڈی پی کے تقاسمات بجٹ کی پیش گوئیوں میں نامیہ جی ڈی پی پر مبنی ہیں۔
ع: عبوری

مرکزی بینک کے لیے ایک نکتہ تشریح ملکی سرمایہ کاری کا مسلسل کم ہوتے جانا ہے۔ اگرچہ پاکستان میں سرمایہ کاری کا ماحول بدستور دشوار رہنے کا امکان ہے تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ نشانیہ شرح سود میں 250 بی پی ایس کی حالیہ کٹوتی سے نجی سرمایہ کاری بحال ہو سکتی ہے اور کاروبار کو کچھ ریلیف مل سکتا ہے۔ گرانی کی صورت حال بہتر ہونے سے یہ فیصلہ کرنے میں مدد ملی تھی اور اس کا مقصد یہ اشارہ دینا بھی ہے کہ بینک اپنی بیلنس شیٹ پر (بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر) حکومتی تمسکات کو تیزی سے اکٹھا کرنے کے عمل پر نظر ثانی کریں۔ ہمارے خیال میں شرح سود اس وقت جس سطح پر ہے کمرشل بینکوں کو محض حکومت کے پاس پیسہ رکھنے کے بجائے بلند منافع کے نجی اثاثے کی طرف جانے کی ترغیب مل سکتی ہے۔ اگرچہ اسٹیٹ بینک بینکوں کو یہ نہیں بتاتا کہ وہ کیا کریں تاہم کمرشل بینکوں کو اس بارے میں احتیاط برتنی چاہیے کہ ان کی بیلنس شیٹ کس طرح کی بن رہی ہے اور طویل مدت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنے اثاثہ جات کا جزدان متنوع بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بینکوں کے رجحان کے علاوہ اس شرح سود اشارے کی تاثیر کا انحصار حکومتی قرض گیری کی مقدار، اس کے قرضوں کی اجزائے ترکیبی اور بازار کی سیالیت کی صورت حال پر ہے۔ چونکہ گذشتہ برس مالیاتی خسارے کے حجم کا باعث یکبارگی عوامل تھے اس لیے ہمیں امید ہے کہ اس سال معاملات بہتر ہوں گے۔ ہمیں یہ امید بھی ہے کہ نیٹو کے رسد کی راستے کھل جانے کے بعد اتحادی سپورٹ فنڈز بروقت مہیا ہو جائیں گے۔¹⁵ اسٹیٹ بینک کو امید ہے کہ م 13ء میں نجکاری (اتصالات) اور تھری جی لائسنسوں کی رقوم بھی مل جائیں گی۔

مرکزی بینک بازار کے اس نقطہ نظر سے متفق ہے کہ روپیہ ڈالر مساوات کلیدی اظہار یہ ہے۔ اس بازار کی نوعیت کے پیش نظر روپے کی مساوات شاید پالیسی سازوں کے لیے منڈی کا اہم ترین اشارہ ہے۔ شرح سود سے متعلق فیصلے کرتے وقت اسٹیٹ بینک بازار مبادلہ پر ممکنہ اثرات کا بغور جائزہ لیتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگست اور اکتوبر 2012ء میں ڈسکاؤنٹ ریٹ میں کمی پر بازار مبادلہ کا رد عمل خاصا دھیمہ تھا۔ تاہم اواخر نومبر 2012ء میں کچھ دباؤ ظاہر ہوا، گوکہ جاری کھاتے میں م 13ء کے پہلے چار ماہ میں فاضل رقم ریکارڈ کی گئی۔ ہماری رائے میں اس دباؤ کا سبب بین الاقوامی مالی اداروں کو جانے والی خالص رقوم (جولائی تا نومبر م 13ء میں 1.5 ارب ڈالر کے لگ بھگ) ہیں۔ اگرچہ ان ادائیگیوں سے بازار مبادلہ براہ راست متاثر نہیں ہوتا تاہم اسٹیٹ بینک کے زرمبادلہ کے ذخائر میں کمی سے منڈی کے احساسات پر اثر پڑا ہے۔

ایشیا کی خرید و فروخت کے حوالے سے ہماری برآمدی پیش گوئیوں میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ کپاس کی قیمتیں اپنی زیریں ترین سطح پر پہنچ گئی ہیں جبکہ پاکستان کی کم قدر اضافی کی حامل ٹیکسٹائل او ای سی ڈی میں طلب کی کمی سے محفوظ ہے۔ ملکی سرمایہ کاری کی سست رفتاری اور اجناس کی عالمی قیمتوں کے بارے میں ہمارے نقطہ نگاہ کے پیش نظر یہ توقع نہیں کہ درآمدات میں کوئی تیزی آئے گی۔ ہمیں امید ہے کہ ملک میں آنے والی ترسیلات زر کی نمو مضبوط رہے گی۔

آخر، ہم اس پر زور دینے کے لیے کہ شعبہ توانائی، پی ایس ایز اور سرکاری مالیات میں ساختی اصلاحات کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زیادہ متوازن خسارہ ہو تو م 13ء میں بجٹ مالکاری کے اجزائے ترکیبی اس طرح کے ہوں گے کہ مالکاری کے ملکی ذرائع خصوصاً کمرشل بینکوں پر سے بہت سا بوجھ کم ہو جائے گا۔

15 پاکستان دسمبر 2012ء تک اتحادی سپورٹ فنڈ کی مدد میں 1.8 ارب ڈالر وصول کر چکا ہے۔